اقبال اور چند مغربی فلاسفہ

محمد امین الاسلام

شاعر مشرق علامہ اقبال دور حاضر کے ایک عظیم مفکر ھیں - اور مشرق و مغرب پر ان کے افکار کے اثرات پڑ رہے ھیں -

اس حقیقت سے تو بلا شبہ کوئی انکار نہیں کرسکتا لیکن سوال یہ کہ فلسفہ' اقبال کی اصل اھمیت کیا ھے اور اسکی مقبولیت کے اسباب کیا ھیں - ھماری نگاہ میں اسکی وجہ یہ ھے کہ فلسفہ' اقبال اسی خصوصیات کا حامل ھے، جو انسانی قلوب کو بہت جلد متاثر کر دیتی ھے- جو نظریات انسانی زندگی کی ترقی کے ضامن ھیں اور اسے صراط مستقیم پہ گامزن کر دیتے ھیں، وھی فلسفہ' اقبال کی جان ھے- اقبال نے اپنے فلسفہ کی بنیاد قرآنی تعلیمات پر رکھی ھے، اس نے زندگی کو ایک خواب نہیں بلکہ زندہ حقیقت سمجھا ھے ، یہی وجہ ھے کہ اس فلسفہ نے انسان کو نئی راہ دکھائی اور وہ انسانی زندگی کے ھر شعبہ کے لئے ھادی بنا، اقبال مغربی فلاسفہ کی طرح انسانی روح کا انکار نہیں کرتا ھے، افلاطون نے روح اور اس کی قوت کا سراسر انکار کیا ھے، ان کے خیال میں اس زندگی کی کوئی حقیقت نہیں ھے ،یہ سراب کی مانند ھے - بخلاف اس کے ھیگل اس خیال کا حامی ھے کہ مادہ کی کوئی اصلیت ھی نہیں ھے روح سب کچھ ھے - کارل مارکس کا نظریہ یہ ھے کہ مادہ ھی حقیقت ھے روح کی کوئی اصلیت نہیں، حقیقت یہ ھے کہ مغربی مفکرین کے باھم اختلافات نے دنیا کے فکر انسانی کو پراگندہ تو کیا ھے، لیکن انسانیت کی صحیح راہ کی طرف راھبری نہیں کی- دنیا کی دوسری قوموں کی طرح مسلمان بھی اس پریشان خیال کا شکار تھے - ان حالات میں علامہ اقبال نے ایک نئی راہ دکھائی- مغربی فلسفہ پر سخت تنقید کی، اس کی غلطیوں کو صاف اور واشگاف الفاظ میں بیان کیا، اور کہا کہ زندگی ایک ناقابل انکار حقیقت ھے، اس کے انکار کرنے والے صحیح راہ سے بھٹک چکے ھیں، اس سلسلے میں اقبال نے افلاطون پر خاص طور پر تنقید کی ھے چنانچہ اس کے متعلق انہوں نے کہا --

فکر افلاطون زیان را سود گفت
حکمت او بود را نابود گفت

حقیقت یہ کہ فرد ہو کہ جماعت اگر وہ اپنی ہستی کے متعلق واقف اور حساس نہ ہو، تو اس کی تباہی و بربادی یقینی ہے، ایسا ہی تباہ کن نظریہ افلاطون نے پیش کیا، اقبال نے فکر افلاطون کے جس پہلو پر خاص طور پر تنقید کی ہے وہ اس کی ذوق عمل سے محرومی ہے، چنانچہ اقبال نے کہا —

بس کہ از ذوق عمل محروم بود
جان او وارفتہ معدوم بود
(اسرار خودی)

افلاطون اس جہان کو اور اس زندگی کی حقیقت کو تسلیم نہ کرسکا، جدوجہد سعی و عمل کا منکر رہا، اس کا دل بے بنیاد خیالات کا آماجگاہ بنا رہا، چنانچہ اقبال نے کہا —

منکر ہنگامہ موجودہ گشت　　خالق اعیان نا مشہود گشت

علامہ اقبال نے افلاطون کی اس گمراہی پر مزید نقد و تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ افلاطون کا دل مردہ تھا، یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ وہ اس دنیا کی حقیقت کا اعتراف نہ کرسکا، اور نہ ہی جدوجہد اور سعی و عمل کی ضرورت کو سمجھ سکا، کیونکہ مردہ دل کے لئے خیال محض ہی کافی ہے —

زندہ جان را عالم امکان خوش است
مردہ دل را عالم اعیان خوش است
(اسرار خودی)

عملی دنیا سے فرار کے علاوہ افلاطون کے لئے کوئی صورت ہی نہ تھی، کیونکہ اس میں جذبہ عمل مفقود تھا۔ سعی و عمل کی حقیقت کو وہ سمجھ ہی نہ سکا، اس لئے وہ اس دنیا کی ہنگامہ پروری کو برداشت نہ کرسکا، اور یہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔ چنانچہ اقبال نے کہا —

راہب ما چارۂ غیر از رم نداشت
طاقت غوغائے این عالم نداشت

حقیقت یہ کہ جو لوگ رہبانیت کے قائل ہیں وہ دنیا کے شور و غوغا کے تحمل کے لائق نہیں ہوتے، اور نہ ہی اس عملی دنیا میں ان کے لئے کوئی جگہ ہے، اس زندگی کی مسرت و فرحت کلفت و مصیبت الغرض کسی چیز کو

برداشت نہیں کر سکتے، اور نہ ہی کسی اہم کام کی ذمہ داری سنبھال سکتے ہیں، اسی لئے یہ لوگ ہمیشہ خاموش غار کی تلاش میں رہتے ہیں، لیکن اسلام میں رہبانیت کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے چنانچہ حدیث میں بھی ہے لا رہبانیۃ فی الاسلام، کہ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے، چنانچہ اقبال نے بھی کہا،

مصلحت در دین ما جنگ و شکوہ
مصلحت در دین عیسیٰ غار و کوہ

غار و کوہ کی زندگی عیسائیت کی خصوصیت ہے ، اسلام تو تحریک اور جہاد کا قائل ہے۔ کارزار حیات میں مردانہ وار لڑنے کے بعد ہی ایک آدمی کو مومن کا خطاب دیا جا سکتا ہے۔

اقبال کی رائے میں افلاطون جیسے ذوق عمل سے محروم فلسفی کی وجہ سے عالم انسانیت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے، چنانچہ اقبال نے انتہائی حسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا —

قوم ھا از سکر او مسموم گشت
خفت او از ذوق عمل محروم گشت

اہل فلسفہ میں سے بعض تو صرف روحانیت کے قائل تھے، اور بعض مادہ پرستی کے، حالانکہ دونوں گروہ انتہا پسند تھے، ان دونوں مختلف نظریات میں توافق اور ہم آہنگی پیدا کرنے والی قوت صرف اسلام ہی ہے، کلام پاک میں مسلمانوں کو اس سلسلے میں ایک دعاء کی تعلیم دی گئی ہے ، چنانچہ ارشاد ہوا ربنا آتنا فی الدنیا حسنتہ وفی الآخرۃ حسنتہ وقنا عذاب النار،

اے ہمارے پروردگار! دنیا و آخرت دونوں جہان میں بھلائی عطا فرمائیے، اور عذاب دوزخ سے نجات دیجئے۔ اسلام کے اس نظریہ کو علامہ اقبال نے کہا کہ مادہ کی اصل بھی روحانی ہے اور محض مادی دنیا کا کوئی وجود نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اقبال کی نظر میں دین اور دنیا دونوں ضروری ہیں ایک کو اختیار اور دوسرے کو ترک کرنا غیر حقیقت پسندانہ ہے۔ اقبال نے یہ سبق سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے حاصل کیا ہے، اس لئے کہ آپ نے دنیا کا ہر کام بحسن خوبی انجام دیا حتیٰ کہ حسب ضرورت جہاد بھی کیا، اور ان تمام حالتوں میں آپ کا دل فکر آخرت سے معمور رہا :

اے کہ تیری ذات سے قائم نظام زندگی
بادشاہی میں فقیری اور شان بندگی

فلسفۂ اقبال کا مرکزی مضمون خودی ہے، اقبال کی رائے میں تخلیق کی بنیاد روح ہے، عشق الہیٰ سے روح طاقتور ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ جس کی روح عشق الہیٰ سے جتنی سرشار ہوگی اتنی ہی زیادہ وہ طاقتور بھی ہوگی، خدا کی محبت سے انسان روحانی قوت حاصل کرتا ہے اور اسی قوت کے ذریعہ رب سے قربت حاصل کرتا ہے، حضرت موسیٰ اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہوئے اور انہیں یہ تقرب عشق الہیٰ کے ذریعہ ہی حاصل ہوا۔ فکر اقبال کا یہ پہلو بھی بڑا نمایاں ہے کہ اسکی نگاہ میں انسان حق تعالیٰ کی غیر محدود طاقت کے اندر خود کو گم نہیں کرتا، بلکہ اتنے بلند مقام پر پہنچنے کے بعد بھی اور اتنا تقرب حاصل کرنے کے باوجود بھی اپنی خودی کو محفوظ رکھتا ہے انسان اللہ تعالیٰ سے قوت حاصل کرتا ہے، اور تقرب الہیٰ کی آخری سرحد تک پہنچتا ہے، لیکن پھر انسان دنیا میں واپس آتا ہے، اور استحکام خودی کی سعی کرتا ہے ۔ خودی خدا میں گم نہیں ہوتی اس کے نور سے منور ہوتی ہے۔

انسان کی روحانی قوت کا اصل سرچشمہ عشق الہیٰ ہے اور جو شخص اس میدان میں جتنا آگے بڑھیگا اتنا ہی اس کی روحانی طاقت میں اضافہ ہوگا، یہی چیز انسان کو روحانی مراتب کے اعلیٰ ترین مقام پر پہنچانے والی ہے اور یہی ایک انسان کو دوسروں سے امتیازی شان بھی عطا کرتی ہے، چنانچہ مرشد رومی نے کہا :

ملت عاشق ز ملت ها جداست
عشق اصطرلاب اسرار خداست

(مثنوی)

اور یہی وجہ ہے کہ اقبال نے مسلم قوم کے احیاء کیلئے عشق الہی کو سب سے ضروری قرار دیا ہے ۔

عشق را آتش زن اندیشه کن
رو به حق باش و شیری پیشه کن

(رموز بے خودی)

جس طرح عشق الہیٰ انسان کو غیر اللہ سے بے نیاز کردیتا ہے، بالکل اسی طرح خشیت الہیٰ اس کو غیر اللہ کے خوف سے بھی نڈر اور بے پروا کر دیتا ہے، ہمیں اس کا ثبوت حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے ملتا ہے، اور ناگفتہ بہ حالت میں حضرت ابوبکر رض جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے

واحد رفیق سفر تھے، بہت ڈر گئے، لیکن شاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا، لاتحزن ان اللہ معنا، گھبراؤ نہیں اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بے خوفی کی وجہ صرف اور صرف آپ کی خشیت الٰہی اور عشق الٰہی ہے، علامہ اقبال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے اس حصہ سے بہت متاثر ہوئے، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے انسان کو بے خوف اور نڈر ہونے کا مشورہ دیا ہے، چنانچہ اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے کہا —

این کہ در زندان غم باشی اسیر
از نبی تعلیم لا تحزن بگیر

(رموز بے خودی)

یہانتک کہ اقبال نے تو اتنا بھی کہدیا کہ اگر تم مومن ہو تو تمہیں اپنے دل سے ہر قسم کا خوف و ہراس نکالنا پڑیگا، وگرنہ تمہارا ایمان مکمل نہیں ہوگا —

گر خدا داری ز غم آزاد شو
از خیال بیش و کم آزاد شو

فلسفۂ اقبال کے اس نکتہ کے پس پردہ قرآن حکیم کی تعلیم کارفرما ہے۔ ارشاد ہوا، اتخشی الناس واللہ احق ان تخشاہ، یعنی کیا تم انسان سے ڈرتے ہو؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اس سے ڈرا جائے، اس لئے کہ غیر اللہ کا خوف انسان کی قوت عملی کو ختم کر دیتا ہے، اور زندگی کو تباہ کر دیتا ہے —

بیم غیراللہ عمل را دشمن است
کاروان زندگی را رہ زن است

(رموز بیخودی)

اقبال کی رائے میں غیر اللہ کا خوف ایک ایسا راہزن ہے جو انسانی قافلہ کو لوٹتا ہے، اور اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے برباد کردیتا ہے، یہانتک کہ انہوں نے کہا کہ جو شخص سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلیمات سے واقف ہے وہ غیر اللہ کے خوف میں شرک کو محسوس کریگا —

ہر کہ رمز مصطفیٰ فہمیدہ است
شرک را در خوف مضمر دیدہ است

(رموز بیخودی)

چنانچہ قرآن حکیم نے اس مسئلہ کو اس طرح بیان کیا ہے ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین — اور ڈرو نہیں اور نہ ہی غمگین ہو تم ہی غالب رہوگے اگر تم مومن ہو، اس آیت میں غیر اللہ سے بے خوف ہونے کی تعلیم ہے، ساتھ ساتھ ایسے لوگوں کی کامیابی کی بشارت بھی ہے۔

سچ پوچھئے تو یہ مسئلہ حد درجہ مشکل بھی ہے، اس لئے کہ ساری دنیا سے نڈر ہوکر صرف خدائے واحد سے ڈرنا اور اسی کی ذات سے امید بھی رکھنا ہے، اور اس کی محبت کو دل کی خاموش گہرائی میں جگہ دینا ہے، چنانچہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث میں اس مضمون کی طرف اشارہ کیا گیا۔

الایمان بین الخوف والرجاء یعنی ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے، خوف خدا ایمان کی دلیل ہے، اور خوف غیر اللہ شرک کی علامت ہے — چنانچہ اقبال نے کہا—

خوف حق عنوان ایمان است و بس
خوف غیر از شرک پنہان است و بس
(رموز بیخودی)

فلسفہ اقبال کے مطابق انسان کے اندر ایک عظیم طاقت کا امکان ہے لیکن خوف غیر اللہ کی وجہ سے وہ طاقت مخفی رہ جاتی ہے، اقبال انسان کی اس سوئی ہوئی طاقت کو جگانا چاہتا ہے۔

فارغ از اندیشہ اغیار شو
قوت خوابیدہ بیدار شو
(رموز بیخودی)

یہی وجہ ہے کہ اقبال طاقت و قوت خود اعتمادی اور بلند ہمتی کی تبلیغ کرتا ہے۔ حقیقت یہ کہ فرد ہو کہ جماعت اگر کوئی ہمت جرأت کے ساتھ میدان عمل میں اتر جاتا ہے، اور اپنی قوت عملی کا ثبوت دے سکتا ہے تو اس کی کامیابی تقریباً یقینی ہو جاتی ہے، اقبال کی رائے میں ایک مسلمان کو یہ خوبیاں توحید کی بدولت حاصل ہوئی ہیں، وہ کہتا ہے کہ اگر تم مسلمان ہو تو اپنے اندر خود اعتمادی پیدا کرو، غیر اللہ سے بے نیاز رہو، اور سارے عالم کے لئے خیر و برکت کا پیکر بنے رہو —

مسلم استی بے نیاز از غیر شو
اهل عالم را سراپا خیر شو

ساری دنیا کے لئے خیر بننے کی تلقین قرآن کریم کی اس آیت میں بھی ہے، کنتم خیر أمته اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنهون عن المنکر، یعنی تم تو بہترین امت تھے، کہ عالم انسانیت کی بھلائی کے لئے برپا کئے گئے ہو، تم اچھی باتوں کا حکم کرتے ہو، اور بری باتوں سے روکتے ہو،

فلسفہ اقبال کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ اس میں انتھک محنت اور غیر معمولی مشقت جھیلنے کی تعلیم ہے اس نے کہا کہ جس پروانہ میں جفا کشی اور عرق ریزی کی عادت ہے وہی مجھے پسند ہے -

من آن پروانہ را پروانہ دانم
کہ جانش سخت کوش وشعلہ نوش است
(پیام مشرق)

میدان کارزار میں جانبازوں کی طرح لڑنا ہی کامیابی کا باعث ہے، چنانچہ اقبال نے بڑے لطیف پیرائے میں اس چیز کو بیان کیا ہے -

سکندر با خضر خوش نکتہ گفت
شریک سوز و ساز بحر و بر شو
(پیام مشرق)

اقبال کی رائے میں زندگی تحریک اور جنگ و جہاد ہی کا نام ہے، ساحل پر بیٹھ کر موجوں کا تلاطم دیکھنا زندگی نہیں بلکہ ان سے ٹکر لینا زندگی ہے، بالکل اسی طرح میدان کارزار کا تماشہ دیکھنا زندگی نہیں بلکہ اس میں جان دینا ہی زندگی ہے اور اسی سے حیات جاودانی حاصل ہوتی ہے -

تو این جنگ از کنار عرصہ بینی
بمیر اندر نبرد و زندہ تر شو
میارا بزم بر ساحل کہ آنجا
نوائے زندگانی نرم خیز است
(پیام مشرق)

بدریا غلط و با موجش در آویز
حیات جاودانی اندر ستیز است

یہی وجہ ہے کہ فلسفہ٘ اقبال میں انتھک محنت اور جدوجہد کی تعلیم موجود ہے، اقبال نے اس سلسلے میں اپنی فطری کیفیت کو اس طرح بیان کیا،

چہ کنم کہ فطرت من بمقامِ در نسازد
دل ناصبور دارم چو صبا بہ لالہ زارے

اقبال کی رائے میں جس شخص کو اپنی خودی کا احساس ہو، اور وہ اپنی سوئی ہوئی طاقت کو بیدار کر کے میدان عمل میں اتر جائے، تو اس وقت عمل کا ایک وسیع میدان ہاتھ آ جاتا ہے، اور صحیح معنوں میں زندگی کی تحریک شروع ہوتی ہے، اگر اس راہ میں موت بھی آتی ہے تو وہ انسان کو حیات جاودانی بخشتی ہے، جیسا کہ قرآن حکیم میں تصریح موجود ہے۔

ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون — جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید ہوتے ہیں تم اسے مردہ نہ کہو، بلکہ وہ تو زندہ ہیں لیکن تم سمجھ نہیں سکتے ہو، اسی لئے فلسفہ٘ اقبال میں خطروں اور حوادث کا مقابلہ کرنے کی تعلیم موجود ہے۔ اور زندگی جفا طلبی و عرق ریزی کا نام ہے۔

سر این فرمان حق دانی کہ چیست
زیست اندر خطر ہا زندگی است

بیکشی زندہ دلان زندگی جفا طلبی است
سفر بکعبہ نہ بردم کہ راہ بے خطر است

اقبال کا یہ نظریہ بھی قرآن کریم کی تعلیم ہی سے ماخوذ ہے، چنانچہ ارشاد ہوا والذین من جاھد او فینا لنھد لین ھم سبلنا، جو لوگ میری راہ میں مجاھدہ کرتے ہیں ہم ان ہی کو راہ دکھاتے ہیں، اللہ تعالی نے ایک دوسری جگہ اسی چیز کو اس طرح فرمایا ہے، احسبتم ان تدخلو الجنہ ولما یرو العذاب کیا تم نے یہ گمان کیا کہ کسی قسم کا عذاب و تکلیف دیکھے بغیر ہی بہشت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ بغیر محنت و مشقت کے اور بلا حد درجہ سعیؑ و عمل کے بہشت ہرگز نہیں مل سکتی ہے۔ اسلئے قرآن حکیم نے صاف اعلان کیا، ''لیس للانسان الا ما سعی،، یعنی انسان کو اس کی کوشش کے بغیر کچھ بھی نہیں ملیگا، اور خاقانی نے تو اتنا کہدیا کہ اگر کوشش کے بغیر بہشت بھی ملے، تو اس کو قبول کرنا انصاف کی بات نہیں۔

گرفتم اینکه بهشتم دهند بطاعت
قبول کردن و رفتن نه شرط انصاف است

چنانچہ اقبال نے بھی کہا کہ انسان کی عزت، عظمت اور احترام اس کی محنت و مشقت اور اس کی طاقت و قوت ھی میں ھے -

در صلابت آبروئے زندگی است
ناتوانی ناکسی ناپختگی است
(اسرارخودی)

اور پھر اقبال نے یہ بھی کہا کہ جو آدمی اسطرح اپنی زندگی گزارتا ھے، اس سے نہ صرف اس کی اپنی زندگی کامیاب ھوتی ھے ، بلکہ ساری دنیا اس سے مستفید ھوتی ھے اور دنیا اور آخرت دونوں جہان میں کامرانی اور شادمانی اس کا قدم چومتی ھے -

می شود از وے دو عالم مستنیز
ھرکہ باشد سخت کوشش وسخت گیر

خلاصہ یہ ھوا کہ فلسفہٗ اقبال کے مطابق ھمت و جرأت طاقت و قوت کا حصول نیز حوادث سے ٹکرانا اور مشقتیں جھیلنا، مشکلات کا سامنا کرنا زندگی کی کامیابی کے لئے انتہائی ضروری ھے، اس کے برعکس سستی و کاھلی بے عملی اور محنت سے پہلوتی ناکامی ھی کی علامت ھے، یہی وجہ ھے کہ اقبال نے مشہور جرمن فلسفی نٹشے کی بڑی تعریف کی ھے کیونکہ دونوں فلاسفر چند مسائل میں ھم خیال ھیں، اقبال کی طرح وہ بھی مرد کامل کا قائل ھے اور اس نے بھی بے عملی و سستی کی مذمت کی ھے، اسی لئے اقبال کہتا ھے

از سستیٔ عناصر دلش تپید
فکر حکیم پیکر محکم تر آفرید
(پیام مشرق)

لیکن جس طرح ان دونوں کے درمیان چند مسائل میں اتفاق ھے اسی طرح چند اور باتوں میں اختلاف بھی ھے، مثال کے طور پر اقبال پر امید تھے، اور نٹشے یاس و قنوطیت کا شکار تھا، نٹشے خدا کا منکر تھا اور اقبال مرد مومن تھا، توحید کا قائل تھا، بلکہ اس کے سارے فکر کی بنیاد ھی اس تصور پر رکھی گئی تھی - اور پھر اقبال انسانی طاقت، اس کی ترقی، اور اس کے ماحول کے

اثرات کا قائل تھا، لیکن نٹشے ان باتوں کا قائل نہ تھا، انسان کے اندر غیر معمولی طاقت کا امکان موجود ہے، نٹشے اس بات کا منکر تھا، اس کا ''مرد کامل،، ڈرامائی انداز سے ناگہانی طور پر ظاہر ہوگا حالانکہ اس سلسلے میں اقبال کا نظریہ یہ ہے کہ جس شخص کو اپنی خودی پر یقین کامل ہوگا، اور خود اعتمادی، ضبط نفس، یقین محکم، اور محنت و مشقت جھیلنے کی عادت ہوگی وہ یقیناً مرد کامل ہوگا، وہ دنیا میں خدائی طاقت قائم کرنے میں کامیاب ہوگا، اور ترقی کی آخری منزل میں پہنچیگا کہ فرشتے بھی اسے دیکھکر سہم جائیں گے، چنانچہ اس نے کہا —

عروج آدم خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہ کامل نہ بن جائے

فلسفۂ اقبال کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ امید کے قائل تھے، حالانکہ اقبال کا ماحول اس کے لئے سازگار نہ تھا، کیونکہ تقریبا دو سو سال تک ان کی قوم برطانیہ کی غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھی، اور پھر بظاہر امید کی کوئی کرن بھی نظر نہیں آتی تھی، اس کے باوجود اقبال نے کہا کہ نومیدی اور مایوسی میں علم و عرفان کا زوال ہے، اس لئے کامیابی کی امید رکھو، —

نہ ہو نہ مید، نومیدی زوال علم و عرفان ہے
امید مرد مومن ہے خدا کے راز دانوں میں

یہاں تک کہ اس نے کہا زندگی کا راز امید و ارمان ہی میں مخفی ہے

اگر ز رمز حیات آگہی مجوئے دمگیر
ولے کہ از خلش خار آرزو پاک است
مشو نامید ز این مشت غبارے
پریشان جلوۂ ناپائدارے

امید کے ساتھ ساتھ طلب اور اس کی تڑپ کی بھی ضرورت ہے —

زندگانی در جستجو پوشیدہ است
اصل او در آرزو پوشیدہ است
(اسرار خودی)

یاس و قنوطیت کے اندھیروں میں بھی اقبال نے شمع امید روشن کی، اس نے کہا کہ ایک دن ایسا بھی آسکتا ہے کہ جب ہماری آرزو پوری ہو گی، اور ایک مشت خاک بھی اہمیت کی مستحق سمجھی جائیگی—

آرزو را دردل خود زنده دار
تانگرد و مشت خاک تو مزار
آرزو صید مقاصد را کمند
دفتر افعال را شیرازه بند

اقبال کی نگاہ میں جس کے دل کے عمیق ترین حصہ میں امید جاگزین نہیں ہو گی، اس کی کامیابی مشکل ہے، کیونکہ زندگی میں کامیابی بہت حد تک امید پہ منحصر ہے —

زندگی سرمایہ دار از آرزو ست
عقل از زائدگان بطن اوست

حقیقت یہ کہ اگر آرزو و تمنا نہ ہوتی تو شاید دنیا میں انسان کا زندہ رہنا ہی مشکل ہوتا، آرزو گویا انسان کے مردہ جسم میں تازہ خون کی لہر دوڑا دیتی ہے

گرم خون انسان ز داغ آرزو
آتش این خاک از چراغ آرزو

پھر آرزو تمنا کے ساتھ ساتھ حصول قوت کی بھی ضرورت ہے کیونکہ کمزوری انسان کو منزل مقصد تک پہنچنے سے روک دیتی ہے، بلکہ اس کی زندگی کو یکسر ناکام بنا دیتی ہے، ع—

ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات
افسوس صد افسوس کہ شاہیں نہ بنا تو
دیکھے نہ تیری آنکھ نے فطرت کے اشارات

اقبال نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے ایک با عمل زندگی کا سبق سیکھا ہے، کیونکہ حضور صلعم تیرہ سال تک صدہا تکالیف برداشت کرتے رہے یہانتک کہ مادر وطن سے ہجرت بھی کرنا پڑی، مدینہ کی زندگی میں آرزو کے ساتھ ساتھ حضور صلعم نے قوت بھی حاصل کی چنانچہ ہجرت کے دوسرے سال ہی میں جنگ بدر ہوئی، جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے انتہائی حکمت و فراست کا ثبوت دیا اور قوت استعمال کی۔ اسطرح آنحضرت صلعم مدینہ منورہ میں اسلامی حکومت کے داغ بیل ڈالنے میں کامیاب ہوئے اور اللہ کا دین قائم ہوا، چنانچہ حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے حجتہ الوداع کے دن آنحضرت ص کو تکمیل دین کی خوشخبری ملی، الیوم اکلمت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم اسلام دینا ــ آج کے دن تمہارا دین مکمل کیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کی، اور تمہارے لئے اسلام کو ضابطہ حیات کی حیثیت سے پسند کیا، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مجاہدانہ زندگی کے شروع میں انتہائی بے کسی و بے بسی کے عالم میں بھی امید و آرزو کی شمع جلتی ہوئی نظر آتی ہے اور ہمت کے ساتھ طاقت و قوت حاصل کرنا، مصیبتوں کا مردانہ وار مقابلہ کرنا، صبر و تحمل کا ثبوت دینا، انتھک محنت و غیر معمولی مشقت جھیلنا، ان تمام منازل سے حضور ص کو گذرنا پڑا اور اس کے بعد کامیابی آپ کے قدم چومتی ہے اور یہی چیزیں فلسفہ اقبال کی خصوصیات ہیں۔

بمصطفی برسان خویش را کہ دین ہمیں اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است

IQBAL ACADEMY PAKISTAN LIBRARY 32658 LAHORE

Iqbal.Cyber.Library.Net All rights reserved. 2002-2006